Fikr-o-Nasar vol.1: 7-8 (1964)

# صغر سنی کی شادیاں اور اسلام — ایک مطالعہ

عمر احمد عثمانی

صغر سنی کی شادیوں کا مسئلہ عرصۂ دراز سے برِّ صغیر میں وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ تقسیم سے پہلے انگریزی دورِ اقتدار میں شاردا بل کے نام سے غیر منقسم ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں اس پر پابندی لگانے کے لئے ایک مسودۂ قانون پیش کیا گیا تھا تو اس وقت بھی علمائے کرام کی طرف سے شدید مزاحمت پیش آئی تھی اور وہ مسودۂ قانون منظور نہیں ہو سکا تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں یہ سوال پھر سامنے آیا اور ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے عائلی اصلاحات کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جس نے دیگر سفارشات کے ساتھ یہ سفارش بھی کی تھی کہ صغر سنی کی شادیوں پر پابندی لگا دینی چاہیئے۔ لیکن علمائے کرام نے ان سفارشات کے خلاف پھر شدید مزاحمت فرمائی اور حکومت پاکستان نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کمیشن کی سفارشات کو التوا میں ڈال دیا جائے۔ تا آنکہ انقلابی حکومت برسر اقتدار آئی اور عائلی اصلاحات کا سوال پھر اس کے سامنے آیا۔ کافی غور و خوض کے بعد صدرِ مملکت نے ایک آرڈی نینس کے ذریعہ عائلی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اور اب پھر کافی عرصہ سے علماء کرام کی طرف سے اس کی مخالفت برابر جاری ہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ



© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

شاید یہ اصلاحات قطعاً خلاف دین ہوں گی۔ اور یہ تاثر ہی میرے لئے بھی اس مسئلہ کے غائر مطالعہ کا باعث بنا۔

اس کا جواب تو مستقبل ہی دے گا کہ ان عائلی اصلاحات کا حشر کیا ہونے والا ہے۔ البتہ جہاں تک مسئلہ کو علمی انداز میں سمجھنے اور سمجھانے کا تعلق ہے اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا کہ اس قسم کے مسائل پر غور و فکر اور مطالعہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ زیر نظر مقالہ محض ایک علمی مطالعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں ان عائلی اصلاحات کی صرف ایک شق یعنی صغر سنی کی شادیوں کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

اسے محض ایک علمی مطالعہ کی حیثیت ہی سے ملاحظہ فرمایا جائے اور کسی درجہ میں بھی دعوتِ مناظرہ نہ سمجھا جائے۔

## عہد جاہلیت میں

اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ صغر سنی کی شادیوں کے تاریخی مطالعہ کا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی ابتداء کہاں سے اور کیسی ہوئی؟ اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں کیا ایسا کوئی رواج موجود تھا؟ کیا عرب کے لوگ اپنی اولاد کی شادیاں صغر سنی میں کر دینے کے عادی تھے؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے رسوم و رواجات کے سلسلہ میں ہماری تمام تاریخی معلومات اس حیثیت سے صفر کے برابر ہیں کہ کسی مصنف نے اسے مستقل موضوع بنا کر انھیں کہیں یکجا بیان نہیں کیا۔ تاہم ہمارے پاس جو کچھ بھی ماخذ موجود ہیں۔ ان سے عرب معاشرہ میں اس رواج کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہمارے اس دور میں عرب قومیت پرستی کے زیر اثر حال میں ایسی بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں ان کے مصنفین نے عربوں کی پرانی رسوم اور رواجات کو ڈھونڈھ کر درج کر دینے کی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ شعراء جاہلیت کے اشعار، قدیم مؤرخین کے بیانات یا روایات حدیث کے اشارات سے ذرا ذرا سی رسموں تک کا سراغ لگانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن کسی مصنف نے ایسا کوئی اشارہ تک نہیں کیا جس سے ثابت ہو سکے کہ عربوں میں صغر سنی کی شادیوں کا کوئی باقاعدہ رواج تھا۔ انتہاء یہ ہے کہ ان مصنفین نے عربوں کے اُن نو قسم کے مروج نکاحوں تک کا تفصیل سے تذکرہ کر دیا ہے جن میں سے بعض نکاحوں کو نکاح کہنا بھی نکاح کی توہین معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے یہاں تک

بیان کردیا ہے کہ عربوں کے بعض قبائل میں مشترک نکاحوں تک کا رواج پایا جاتا تھا یعنی کئی کئی بھائیوں کے درمیان ایک مشترک بیوی ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ عرب میں عام طور سے سوتیلی ماؤں تک سے شادیاں کر لینے کا رواج موجود تھا اور بعض صورتوں میں حقیقی بہنوں تک کو بیوی بنا لیا جاتا تھا۔ مگر انھوں نے تذکرہ نہیں کیا تو صغرسنی کی شادیوں کا۔ اس سے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ عرب معاشرہ میں اسلام سے پہلے صغرسنی کی شادیوں کا کوئی رواج نہیں پایا جاتا تھا۔

"تاریخ العرب قبل الاسلام" کے مصنف ڈاکٹر جواد علی صاحب نے شادیوں کے سلسلہ میں عربوں کا رواج جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ یہ مصنف لکھتا ہے۔

شادیاں پیغام اور مہر کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ پیغام کی صورت یہ ہوا کرتی تھی کہ مرد کے دل یا اس کے قریب ترین عزیز یا دوست کو جوان لڑکی (فتاۃ) کے والد، چچا، بھائی یا ان کے علاوہ کسی اور کے پاس جو جوان لڑکی (فتاۃ) کا ولی ہوتا تھا۔ بھیجا جاتا تھا تاکہ وہ جوان لڑکی (فتاۃ) والوں سے اپنے مؤکل یا مؤکلین کے ساتھ شادی کی بات چیت کریں۔ کئی مؤکل اس صورت میں ہوتے تھے جبکہ پیغام بھیجنے والے کئی افراد ہوں۔ جب یہ وکیل یا وکلاء وہاں پہنچ جاتے تھے اور ان کے اور گھر والوں کے درمیان علیک سلیک اور سلام و دعا ہو چکتی تھی تو وکیل یا وفد کا سربراہ گفتگو شروع کرتا تھا۔ وہ پہلے جوان لڑکی (فتاۃ) کے گھرانے کی بات کرتا اور بتاتا تھا کہ وہ جس کا پیغام لائے ہیں وہ ان کے خاندان کے ساتھ دامادی کا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ وہ آدمی لڑکی کے خاندان کا کفو ہے۔ یعنی وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے جو ہر اعتبار سے اس گھرانے کا ہمسر ہے جہاں وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد لڑکی کا ولی یا جو شخص ان کی طرف سے بات کرنے کا حق رکھتا تھا جواب دیتا تھا۔ وہ اپنے جواب میں جوان لڑکی (فتاۃ) کی خوبیاں اور اس کے خاندان کے محاسن گنواتا تھا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام اس جوان کی طرف مڑ جاتا تھا جس کی طرف سے یہ پیغام آتا تھا اور اس کی خوبیوں کا ذکر کیا جاتا تھا اور اشارتاً کہہ دیا جاتا تھا کہ چونکہ دونوں خاندان ہمسر اور کفو ہیں۔ اس لئے وہ لڑکی کی شادی اس مہر کی مقدار پر جس پر فریقین میں اتفاق ہو جاتا تھا اس آدمی کے ساتھ

کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جوان آدمی (فتی) کے گھر والوں میں سے عورتیں پہلے ہی دلہن کے گھر والوں کے ساتھ غیر رسمی بات چیت کر آتی تھیں اور دلہن کے خاندان میں وکیل کے جانے سے پہلے ہی مہر کی مقدار مقرر کر لی جاتی تھی۔ (النہایہ صہ ۴۳ ج ۱ عمدۃ القاری صہ ۱۳۴ ج ۲ وما بعدہا۔ کتاب النکاح باب الخطبہ)

ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی عورت کو جو عورتوں کے سلسلہ میں کافی تجربہ کار ہوتی تھی پہلے لڑکی کے گھر بھیجا جاتا تھا تاکہ وہ لڑکی کے متعلق پوری معلومات حاصل کر کے اس مرد کو پہنچا دے جو پیغام دینا چاہتا تھا۔ یہ عورت اس لڑکی کو دیکھ کر آتی تھی جس سے پیغام دینا ہوتا تھا۔ اس سے باتیں کرتی تھی اور اس کی اچھی طرح آزمائش (امتحان) کر کے آتی تھی۔ پھر یہ تمام معلومات تفصیل کے ساتھ اس مرد سے بیان کرتی تھی جسے وہاں پیغام دینا ہوتا تھا (بلوغ الارب صہ ۵ ج ۲ وما بعدہا) (تاریخ العرب قبل الاسلام صہ ۲۶۶ ج ۵)

اسلام سے پہلے عربوں میں شادی کا جو رواج تھا اور جو رسوم اس سلسلہ میں ضروری سمجھی جاتی تھیں وہ محولہ بالا اقتباس سے ظاہر ہیں۔ اس اقتباس میں خصوصیت کے ساتھ "فتی" اور "فتاۃ" (جوان لڑکا اور جوان لڑکی) کے الفاظ توجہ طلب ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کے ہاں شادیاں جوان مردوں اور جوان مردوں اور جوان عورتوں ہی کی ہوا کرتی تھیں۔ ناسمجھ اور نابالغ بچوں اور بچیوں کی نہیں۔ اگر ان کے ہاں نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کا رواج بھی ہوتا تو امام ابن کثیر اور علامہ عینی جیسے باخبر حضرات سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سلسلہ میں "فتی" اور "فتاۃ" جیسے الفاظ استعمال کرتے جبکہ عربی زبان میں دوسرے ایسے بیشمار الفاظ موجود ہیں جو بالغ و نابالغ دونوں طرح کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے بولے جا سکتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ایک غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے والا شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں صغر سنی کی شادیوں کا مطلقاً کوئی رواج نہیں تھا۔

## عہد نبوت میں

اس کے بعد اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ زمانہ جاہلیت کے بعد خود عہد نبوی میں کیا رواج تھا۔ اور کیا مسلمان اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں صغر سنی میں کر دینے کے عادی تھے؟ اگر وقت نظر سے اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس عہد میں بھی ہمیں اس قسم کا کوئی رواج نہیں ملتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کا مطالعہ

اس ذیل میں ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ ایسا کوئی رواج اس عہد میں بھی موجود نہیں تھا۔ ہمیں اس قسم کے ارشادات تو حدیث کی تمام کتابوں میں مل جاتے ہیں جن میں بیوہ اور کنواری جوان لڑکیوں کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں کہ ان کا نکاح کس طرح کیا جائے۔ مثلاً:۔

بیوہ عورت اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارہ میں مشورہ کر لینا ضروری ہے۔ اس کی خاموشی کو اس کی اجازت سمجھا جائے گا۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ) "یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے بارہ میں اجازت حاصل کی جائے (احمد و نسائی)" غیر کنواری لڑکی پر ولی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور یتیم لڑکی سے اس کی مرضی معلوم کی جائے۔ البتہ اس کی خاموشی کو اس کا اقرار سمجھا جائے گا" (ابوداؤد و نسائی) "یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے بارہ میں اس کی مرضی معلوم کی جائیگی۔ پھر اگر وہ خاموش رہے تو گویا اس نے اجازت دیدی، اور اگر وہ انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ (احمد) "یتیم لڑکی سے اس کے نفس کے بارہ میں اس کی مرضی معلوم کی جائے۔ پھر اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر اس پر کوئی زبردستی جائز نہیں ہے" (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی) [یتیم لڑکی سے ان احادیث میں جوان اور کنواری لڑکی ہی مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے] حتیٰ کہ احادیث نبوی میں ہمیں اس قسم کی روایات بھی مل جاتی ہیں کہ "ایک کنواری لڑکی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دیا ہے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا کہ وہ اگر چاہے تو نکاح کو فسخ کر سکتی ہے" (ابوداؤد) — لیکن ہمیں ایسی ایک روایت بھی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتی جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو اس کا نکاح کس طرح کیا جانا چاہیے۔ آیا اس کے باپ یا ولی کو اس کا نکاح بغیر اس کی مرضی معلوم کئے کر دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح کر دیا گیا ہو تو لڑکی کو بالغ ہو جانے کے بعد کن صورتوں میں نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا اور کن صورتوں میں نہیں ہوگا۔ عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کرتی ہے کہ صغر سنی کی شادیوں کا اسلامی معاشرہ میں رواج موجود ہونے کے باوجود، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی ہدایت دینے کی ضرورت نہ سمجھی ہو۔

## قوانین کی تاریخی اہمیت

ہر عہد کے قوانین اس عہد کے معاشرتی حالات کا آئینہ بلکہ ان کی ناقابل تردید شہادت ہوا کرتے ہیں۔ یعنی ہم کسی عہد کے قوانین کو سامنے رکھ کر اس عہد کے معاشرتی حالات کا صحیح صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ قوانین ہمیشہ وقت کے معاشرتی حالات کے مطابق ہی نافذ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارے اس عہد میں اگر اغوار کے سلسلہ میں کچھ خاص قسم کے قوانین نافذ کئے جاتے ہیں۔ تو کل کا مورخ ان سے یہی نتیجہ نکالے گا کہ پاکستان کے اس دور میں اغوا کی وارداتوں نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی اور بڑی زیادتی کے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آیا کرتے تھے۔ اگر اب سے ایک سو سال پہلے کے قوانین میں چور بازاری اور اسمگلنگ کے متعلق ہمیں کوئی قانونی ہدایت ملتی تو ہم آج اس نتیجہ پر پہنچنے میں بالکل حق بجانب ہوں گے کہ متحدہ ہندوستان میں اب سے ایک سو سال پہلے چور بازاری یا اسمگلنگ جیسی لعنتوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اسلام کا انداز رہنمائی تو قطعاً فرضی صورتیں تجویز کر کے ہدایات صادر کرنے کا تھا ہی نہیں۔ اسلام کا انداز رہنمائی قطعاً یہی رہا ہے کہ مسائل کی صورتیں پیدا ہوتی تھیں تو وحی کے ذریعہ قرآنی ہدایات نازل ہو جاتی تھیں۔ مسائل رونما ہوتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق ضروری ہدایات صادر فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج ہمارے سامنے اگر تاریخی شہادتیں موجود نہ بھی ہوں تب بھی ہم محض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو سامنے رکھ کر ہی بآسانی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دور میں کس نوعیت کے حالات پیش آتے تھے جن کے لئے اس نوعیت کی ہدایات دی گئی تھیں۔ صغر سنی کی شادیوں کے متعلق احادیث نبوی میں قطعاً کسی قسم کی ہدایات کا موجود نہ ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس قسم کا کوئی رواج موجود نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے دور میں اس قسم کی زیادتیاں کی جاتی تھیں کہ لڑکی کے باپ یا ولی بغیر لڑکی کی مرضی معلوم کئے ہوئے جہاں چاہتے تھے ان کی شادیاں کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کی زیادتیوں کا سدِ باب کرنے کے لئے آپ کو اس قسم کی ہدایات دینی پڑیں کہ لڑکیوں کی شادیاں ان کی مرضی کے مطابق کی جانی چاہئیں۔ چنانچہ لڑکی اگر بیوہ ہو تو اس کی صریح اجازت ضروری ہوگی اور اگر کنواری ہو تو اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھ لیا جائے گا۔ صغیر السن لڑکیوں کی شادیوں کا کوئی رواج موجود ہی نہیں تھا اس لئے اس سلسلہ میں کوئی ہدایت دینی ضروری نہیں سمجھی گئی۔

علاوہ ازیں اس رواج کے ردِّ عمل میں اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے تھے کہ عورتیں خود اپنی مرضی سے اپنی شادیاں کرلیتی تھیں اور باپ یا ولی سے پوچھنے یا اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی تھیں۔ اس صورتِ حالات کے پیش نظر آپ کو اس قسم کی ہدایات بھی دینی پڑیں کہ ——— "جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر ہی اپنا نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے" آپ نے تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا (ابوداؤد و ترمذی) ——— "کوئی نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوسکتا" (ابوداؤد و ترمذی) ——— "کوئی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اگر ولی موجود نہ ہو تو اسے اپنے خاندان کے کسی ذی رائے آدمی یا سلطان سے اجازت حاصل کرنی چاہیئے" (مالک) ——— "کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرائے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ زانیہ عورت ہی خود اپنا نکاح کرتی ہے" (قزوینی) اسی طرح اس سلسلہ میں جو افراط و تفریط ہوتی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ ان ہدایات سے صاف نظر آتا ہے کہ عہدِ نبوی میں صغر سنی کی شادیوں کا قطعاً کوئی رواج موجود نہیں تھا۔ نکاح عموماً جوان عورتوں ہی کا ہوتا تھا جن کی مرضی معلوم کرلینے کو ضروری قرار دیا گیا تھا۔ بیوہ عورت کی صورت میں صریح اجازت کا حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور کنواری لڑکیوں کی صورت میں ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھ لیا جاتا تھا۔ یہ جوان عورتیں عموماً ایسی ہوتی تھیں جو بعض اوقات اپنے باپ یا ولی کی اجازت لینا بھی ضروری نہیں سمجھتی تھیں اور اپنا نکاح خود کرلینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ اس کی اصلاح بھی ضروری سمجھی گئی۔

## یہ رواج مسلمانوں میں کہاں سے آیا؟

عربوں میں جبکہ نہ زمانۂ جاہلیت میں صغر سنی کی شادیوں کا کوئی رواج تھا اور نہ ہی عہد نبوت میں جیسا کہ گذشتہ تصریحات سے ظاہر ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں میں یہ رواج کہاں سے آیا اور کب آیا۔ اس سلسلہ میں ہمیں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ:

"بلا ضرورت کم سنی کی شادی کی رسم ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندو قوم سے آئی ہے اور اس میں بہت سے مفاسد ہیں، سو اس کے انسداد کی تدابیر ضروری ہیں"

(اختلافی نوٹ برعائلی کمیشن کی رپورٹ)

مولانا موصوف نے اس سلسلہ میں کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا جس سے اس کی ابتداء پر مزید کوئی روشنی

پڑتی تاہم ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ یہ رواج مسلمانوں نے ہندو قوم سے ہی سیکھا ہوگا اور اس کی ابتدا ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔

## اس سلسلہ میں قرآنی ہدایت

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے نہ قرآن کریم میں صغر سنی کی شادیوں کے سلسلہ میں کچھ ہدایات پائی جاتی ہیں اور نہ ہی ارشادات نبوی ہیں، تاہم ایک آیت قرآنی سے اس بات کا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ قرآن کریم کی نگاہ میں شادی اور نکاح کی ایک خاص عمر ہے اور وہ بلوغ ہے۔ سورۂ نساء میں جہاں یتیموں کو ان کے اموال حوالہ کر دینے کا حکم دیا گیا ہے وہاں فرمایا گیا ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ (پ۴)

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال انکے حوالے کر دو۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ پر فوائد میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ

"یعنی بالغ ہو جائیں۔ کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے"

اس آیت کریمہ کے اسی قسم کے تراجم دیگر تمام مترجمین نے بھی کئے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ یتیموں کو ان کے اموال حوالہ کرنے کے لئے جو حد مقرر فرمائی گئی ہے وہ آزمائش کے بعد ان میں ایک گونہ تمیز اور صلاحیت کا پیدا ہو جانا ہے۔ مگر یہ آزمائش اسی وقت کی جانی چاہئے جب وہ بالغ ہو جائیں قرآن کریم نے ان کے بالغ ہو جانے کو جس عنوان سے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ یتیموں کو ان کے اموال کب حوالہ کرنے چاہئیں، وہیں اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم کی نظر میں نکاح کی بھی ایک عمر مقرر ہے اور وہ بلوغ کی عمر ہے۔ اس قرآنی تصریح سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ عرب معاشرہ میں اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی یہ بات اس قدر متعارف اور مسلم تھی کہ نکاح کی عمر بلوغ کے بعد ہی ہوتی ہے کہ اس نے یتیموں کو ان کے اموال حوالہ کر دینے کی حد بیان کرنے کے لئے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا۔

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی اس نص صریح کے بعد اس موضوع پر کسی مزید بحث و تمحیص کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب بھی عائلی کمیشن کی

رپورٹ پر اپنے مخالفانہ تبصرہ میں اس اعتراف پر مجبور ہوگئے ہیں کہ

جب قرآن نے خود بلوغ کو لفظ "نکاح" یعنی شادی کی عمر سے تعبیر کیا ہے. تو اب اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کس دلیل کی ضرورت باقی رہ گئی کہ شادی کی عمر بلوغ ہے. یہ تو بلوغ کے عمر نکاح ہونے پر ایک ایسی نصّ صریح ہے کہ اس کے بعد کسی بحث واختلاف کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی. (تبصرہ مولانا اصلاحی صاحب صہ۸۹)

واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کی اس تصریح[1] کے بعد اس موضوع پر حقیقتہً کسی بحث واختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی. لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات اتنی صاف تھی تو سلف سے خلف تک تمام فقہائے امت اور علمائے امت بالاجماع صغرسنی کی شادیوں کے قائل کیسے چلے آتے ہیں. کیا قرآن کریم کی یہ صراحت اور عرب معاشرہ میں صغرسنی کی شادیوں کا کوئی رواج نہ پایا جانا ان کے سامنے نہیں تھا؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور اسے یونہی سرسری طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا. اس سوال کے دو جزو ہیں اور دونوں اجزاء پر ہمیں تفصیل سے گفتگو کرنی ہوگی اول تو فقہائے کرام اور علماء عظام کے اجماع کا دعویٰ ہے کہ وہ سلف سے لیکر خلف تک بالاتفاق صغرسنی کی شادیوں کو جائز قرار دیتے آرہے ہیں اور دوسرا جزو یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کی صراحت کے خلاف ایسا کیوں سمجھا اور وہ کیا وجوہ تھیں جنھوں نے انھیں ایسا سمجھنے پر مجبور کیا.

## اجماع کا دعویٰ

جہاں تک اجماع کے دعوے کا تعلق ہے وہ بڑی طویل بحث کا متقتضی ہے جس کا یہاں موقعہ نہیں ہے. کیونکہ وہ اہل علم حضرات جن کی نظر مباحثِ اصول پر ہے بخوبی جانتے ہیں کہ اول تو خود اس امر ہی میں علمائے امت میں شدید اختلافات ہیں کہ اجماع حجّتِ شرعی ہے یا نہیں، اور ہے تو صرف حضرات صحابہ ہی کا اجماع حجت ہوسکتا ہوسکتا ہے یا بعد کے حضرات کا اجماع بھی حجت ہوسکتا ہے؟ نیز اجماع صراحتہً ہونا چاہیئے یا اجماع سکوتی بھی کافی ہوسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ. اس موضوع پر امام شافعی. امام احمد بن حنبل

---

[1] قاضی امام ابن شبرمہ رح نے اسی آیت سے صغرسنی کی شادیوں کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے تفصیل آگے آرہی ہے.

داؤد ظاہری اور امام ابن حزم کی بحثیں قابل مطالعہ ہیں۔ لیکن بحث کو مختصر کرنے کے لئے محض اس نکتہ پر غور کر لینا کافی ہوگا کہ جو حضرات اجماع کو حجت شرعی تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ ایسا اجماع ہی قابل تسلیم ہو سکتا ہے جس کی اصل و بنیاد قرآن وحدیث میں موجود ہو۔ اگر کسی اجماع کی سند قرآن وحدیث سے نہ ملتی ہو تو ایسا اجماع کسی کے نزدیک بھی حجت شرعی نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اور اسباب تحریف میں سے اجماع کی پیروی بھی ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ جن کی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ ان کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے کسی امر پر اتفاق کرلے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے۔ اور یہ اجماع ایسے امر میں ہے جس کی قرآن وحدیث میں کوئی اصل نہیں ملتی۔ یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے کیونکہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن وحدیث میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو۔ اور لوگوں نے ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جس کی سند قرآن وحدیث میں کوئی بھی نہ ہو۔ چنانچہ اس قول الہٰی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

"اور جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہی باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے الخ (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۸ ج ۱)

اگر ایسا اجماع جس کی سند قرآن وحدیث سے نہ مل سکے بقول حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ناجائز اور اسباب تحریف میں شامل ہے تو ایسے اجماع کے متعلق کیا کہا جائیگا جو قرآن کریم کی نص صریح کے بھی خلاف ہو۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے نکاح کی عمر بلوغ کو قرار دیا ہے اور یہ نص صریح ہے تو اگر اس نص صریح کے خلاف اجماع کا ثبوت ہو بھی جائے تو اسے کسی طرح بھی جائز نہیں کہا جا سکتا اور ایسا اجماع یقیناً اسباب تحریف سے بھی کچھ زیادہ ہی سخت شمار کیا جائیگا۔

**اجماع کا دعویٰ غلط ہے** علاوہ ازیں صغرسنی کی شادیوں کے جواز کے متعلق جو اجماع کا

دعویٰ کیا جاتا ہے وہ مبنی برحقیقت بھی نہیں ہے۔ جہاں تک نابالغ لڑکوں کی شادی کرنے کا تعلق ہے تو فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس کے عدم جواز کی قائل رہی ہے۔ علامہ عینی رح شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال ابن حزم لایجوز للاب ولا لغیرہ نکاح الصغیر الذکر حتی یبلغ فان فعل فهو منسوخ ابداً۔ ماختارہ قوم۔ الخ (عمدۃ القاری ص۱۲۶ ج ۲۰)

[امام ابن حزم نے فرمایا ہے کہ باپ اور کسی دوسرے ولی کے لئے چھوٹے لڑکے کا نکاح کردینا جائز نہیں ہے۔ پھر اگر وہ کرگذرے تو یہ نکاح ہمیشہ قابل فسخ رہے گا۔ اسی قول کو فقہاء کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے]

لہٰذا بقول علامہ عینی کے جہاں تک نابالغ لڑکوں کا نکاح کردینے کا تعلق ہے امام ابن حزم کا مذہب یہی ہے کہ نہ باپ کو اس کا اختیار ہے اور نہ کسی دوسرے ولی کو اس کا اختیار ہے اور یہی قول فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا مذہب مختار رہا ہے۔ ایسی صورت میں اجماع کا دعویٰ کرنا اور یہ بتانا کہ آج تک اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ کمسنی کی شادی جائز ہے" بڑی جسارت ہے۔ (عائلی مسائل ص۱۲۱)

## قاضی ابن شبرمہ کا مذہب

پھر جہاں تک نابالغ لڑکیوں کے نکاح کا تعلق ہے تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ

قال المهلب اجمعوا انه یجوز للاب تزویج ابنته الصغیرة البکر ولو کانت لا یوطأ مثلها الا ان الطحاوی حکی ابن حزم عن ابن شبرمة منعه فیمن لا یوطأ وحکی ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقاً ان الاب لا یزوج بنته البکر الصغیرة حتی تبلغ وتأذن وزعم ان تزویج النبی صلی اللہ

مہلب نے کہا ہے کہ فقہاء کا اجماع ہے کہ باپ کے لئے اپنی نابالغ کنواری لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے اگرچہ وہ اتنی چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کہ اس جیسی لڑکی کے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو۔ لیکن امام طحاوی رح نے قاضی ابن شبرمہ سے ایسی لڑکی کے بارہ میں جس سے جماع نہ کیا

عليه وسلم عائشة رض وهي بنت ست سنين كان من خصائصه ومقابله تجويز الحسن والنخعي بنته اجبار الاب كبيرة كانت او صغيرة بكرا كانت او ثيبا الخ (ص ج ۹ فتح الباری)

جا سکتا ہو اس کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے. کہ باپ اپنی صغیر السن کنواری لڑکی کا اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور نکاح کی اجازت نہ دیدے. ابن شبرمہ نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عائشہ رض سے چھ سال کی عمر میں نکاح کر لیا تھا وہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا. لیکن اس کے مقابلہ میں حسن بصری اور نخعی نے باپ کو اپنی بیٹی کا جبراً نکاح کر دینے کا اختیار دیا ہے خواہ لڑکی چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ کنواری ہو یا بیوہ ہو۔

اسی سلسلہ میں علامہ شوکانی رح تحریر فرماتے ہیں کہ

الحديث اورده المصنف للاستدلال به على ان يجوز للاب ان يزوج ابنته الصغيرة بغير استئذان وكذلك صنع البخاري. قال الحافظ وليس بواضح الدلالة بل يحتمل ان يكون ذلك قبل ورود الامر باستئذان البكر وهو الظاهر فان القصة وقعت بمكة قبل الهجرة وفي الحديث ايضا دليل على انه يجوز للاب ان يزوج ابنته قبل البلوغ. قال المهلب اجمعوا انه يجوز للاب تزويج ابنته الصغيرة البكر ولو كانت لايوطأ مثلها الا ان الطحاوي حكى عن ابن شبرمة منعه فيمن لايوطأ

مصنف نے (حضرت عائشہ رض کے نکاح کی) اس حدیث کو یہ استدلال کرنے کے لئے پیش کیا ہے کہ باپ کے لئے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح اس کی مرضی معلوم کئے بغیر بھی کر دینا جائز ہے. یہ بات شاید انھوں نے اس سے نکالی ہے کہ حدیث میں اجازت لینے کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے یہی استدلال امام بخاری نے بھی کیا ہے حافظ ابن حجر رح نے کہا ہے اس بارہ میں واضح الدلالت نہیں ہے. بلکہ اس کا احتمال ہے کہ یہ واقعہ اس حکم سے پہلے کا ہو کہ کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کی اجازت لی جائے۔ اور

وحکی ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقاً ان الاب لایزوج ابنته الصغیرة حتی تبلغ و تأذن وزعم ان تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشة وھی بنت ست سنین کان من خصائصه الخ (نیل الاوطار ص ۲۷ ج ۶)

یہی ظاہر بھی ہے کیونکہ یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے جو ہجرت سے پہلے واقع ہوا تھا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ باپ کے لئے بلوغ سے پہلے اپنی لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے، مہلب نے کہا ہے کہ فقہاء کا اجماع ہے کہ باپ کو اپنی نابالغ کنواری لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔ خواہ لڑکی ابھی جماع کے قابل بھی نہ ہوئی ہو۔ لیکن امام طحاوی رحمۃ نے قاضی ابن شبرمہ سے اس کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے جبکہ لڑکی جماع کے قابل نہ ہوئی ہو اور امام ابن حزم نے قاضی ابن شبرمہ سے مطلقاً ناجائز ہونا نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باپ کے لئے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز نہیں ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور اجازت نہ دے۔ ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رض سے چھ سال کی عمر میں نکاح فرما لینا آپ کی خصوصیات میں سے تھا۔

اسی سلسلہ میں شمس الائمہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب مبسوط میں تحریر فرماتے ہیں کہ

بخلاف مایقوله ابن شبرمة وابو بکر الاصم انه لایزوج الصغیر والصغیرة حتی یبلغا لقوله تعالیٰ حتی اذا بلغوا النکاح

امام ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم نے نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کر دینے کی مخالفت فرمائی ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں کیونکہ

فلوجاز التزویج لم یکن لھذا فائدۃ
(المبسوط صفحہ ۱۹۳ ج ۴)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ "جب وہ نکاح کی عمر (بلوغت) کو پہنچ جائیں"۔ اگر بلوغت سے پہلے بھی نکاح جائز ہوتا تو قرآن کریم میں حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ کہنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ خود امام ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم جیسے فقہاء نے بھی دراصل اسی آیت کریمہ سے صغرسنی کی شادیوں کے ناجائز ہونے پر استدلال فرمایا ہے جو ہم نے اس سلسلہ میں شروع میں پیش کی تھی۔ لہٰذا وہ آیت قرآنی صرف ہمارے اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے نزدیک ہی نہیں بلکہ امام ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم کے نزدیک بھی اس موضوع پر نص صریح ہے۔

یہ قاضی ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ عراق کے مشہور فقہاء میں سے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں۔ امام سفیان ابن عینیہ اور امام سفیان ثوری اور عبداللہ ابن المبارک جیسی بلند پایہ شخصیتوں کے استاد ہیں۔ خود تابعی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن داؤد نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے فقہاء دو ہیں۔ ایک ابن ابی شبرمہ اور دوسرے ابن ابی لیلیٰ۔ سفیان ثوری سے جب سوال کیا جاتا کہ آپ کے مفتی کون ہیں تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مفتی ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اہل عراق کے فقہاء میں سے تھے۔ ۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۴ھ میں وفات پائی۔ (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۲۵۰ ج ۵)

## امام ابوالعباس اصم کا مذہب

اجماع کے دعوے کو باطل کر دینے کے لئے تو تنہا قاضی ابن شبرمہ رح کی مخالفت بھی کافی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے قاضی ابن شبرمہ رح اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں۔ امام سرخسی کی طرح۔ امام امام ابوبکر جصاص رازی بھی اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ

وفی هذہ الایة دلالة ایضاً علی ان للاب تزویج ابنته الصغیرة من حیث دلت علی جواز تزویج سائر الاولیاء اذ کان هو اقرب الاولیاء، ولا نعلم فی جواز ذلک خلافاً بین السلف والخلف من فقهاء الامصار الاشیئاً رواہ بشر بن الولید عن ابن شبرمة ان تزویج الآباء علی الصغار لایجوز وهو مذهب الاصم الخ (ص ۶۴ ج ۲)

اور اس آیت (وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی) میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ باپ کو اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے. کیوں کہ آیت سے تمام اولیاء کے لئے نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کا جواز نکل رہا ہے اور باپ تو قریب ترین ولی ہوتا ہے. اور ہمیں اس کے جواز میں مختلف ممالک کے فقہاء میں سلف اور خلف میں کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے بجز اس کے جو بشر ابن الولید نے ابن شبرمہ سے نقل کیا ہے کہ باپوں کو اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کردینا جائز نہیں ہے اور امام اصم کا بھی یہی مذہب ہے.

امام سرخسی رح اور امام رازی رح کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں ابن شبرمہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ امام اصم بھی شریک ہیں اور ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ باپ یا کسی دوسرے ولی کے لئے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کردینا جائز نہیں ہے. امام اصم کے متعلق اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد ذہبی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا ذکر "امام، فقیہہ، ثقہ، محدث مشرق، جیسے الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے. امام حاکم نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اپنے عہد کے محدث تھے. ان کے عہد میں اس پایہ کا کوئی محدث موجود نہیں تھا. عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کا ارشاد ہے کہ ابوالعباس وراق (امام اصم) کے علاوہ کتاب مبسوط کا روایت کرنے والا کوئی اور آدمی باقی نہیں رہا اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ وہ ثقہ اور صدوق ہیں (ملاحظہ ہو تذکرہ الحفاظ ص ۸۶۰ ج ۳) ـــــ امام حاکم ہی کا قول ہے کہ امام اصم نے اسلام میں چھہتر (۷۶) سال تک احادیث بیان کی ہیں اور ان کی سچائی اور صحت سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے. کسی عالم اور محدث کی طرف لوگوں کو میں نے اس طرح دور و دراز کا سفر کرکے آتا نہیں دیکھا جس طرح

امام حصم کی طرف آنے دیکھا ہے۔ اندلس اور اہل فارس کے انبوہ میں نے ان کے دروازہ پر دیکھے ہیں
(شذرات الذہب فی اخبار من ذہب صہ ۳/۱ ج)

لہٰذا ان دونوں بزرگوں کے اس اختلاف کے بعد بھی اس انداز سے اجماع کا دعویٰ کر دینا کہ "آج تک اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ کم سنی کی شادی جائز ہے" انتہائی عجیب ہے۔
(عائلی مسائل صہ ۳۱)

لیکن اجماع کا دعویٰ غلط ہونے کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علماء اور فقہاء کا جم غفیر اسی طرف گیا ہے کہ صغر سنی کی شادیاں جائز ہیں اور باپ یا کسی دوسرے ولی کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنی نابالغ اولاد کی شادی کر دے ۔ ایسا کیوں ہے ؟ وہ کونسی وجوہ ہیں جن کی بنا پر ان حضرات نے ایسا فیصلہ فرمایا ؟ ان حضرات کی دیانت، تقویٰ اور دینی بصیرت کے متعلق تو کسی حالت میں بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی دقیقہ رسی اور باریک بینی کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا کہ وہ ایک غلط بات کا فیصلہ فرما دیں ؟ اور اتنی عظیم اکثریت کے ساتھ اس فیصلہ کی طرف جھک جائیں ؟۔

## ایک اصولی بحث

یقیناً کوئی بہت ہی اہم بات ہوگی جس نے ان تمام حضرات کو اس فیصلہ پر مجبور کیا اس وجہ کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ لیکن یہاں ایک اصولی بات سمجھ لینی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اسلام کا انداز رہنمائی فرضی صورتیں تجویز کر کے ہدایات صادر کرنے کا نہیں تھا۔ اسلام کا انداز رہنمائی قطعاً یہی رہا ہے کہ مسائل کی صورتیں پیدا ہوتی تھیں تو وحی کے ذریعہ قرآنی ہدایات نازل ہو جاتی تھیں۔ مسائل رونما ہوتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق ضروری ہدایات صادر فرمایا کرتے تھے۔ لیکن تدوین فقہ کے زمانہ میں یہ صورت حالات قطعاً بدل گئی تھی۔ خصوصاً عراق میں جو فقہ مدوّن ہوئی ہے اس میں منطق اور علم کلام کے زیر اثر فرضی صورتیں تجویز کر کر کے ان کے احکام مرتب کئے گئے تھے۔ ہماری فقہ میں ایسی بیشمار فرضی صورتیں پائی جاتی ہیں جو اس وقت سے لیکر آج تک کبھی بھی عملاً متشکل نہیں ہو سکیں لیکن ان کے احکام ہماری فقہ میں موجود ہیں۔ اگر یہ صورت پیش آجائے تو کیا فیصلہ ہوگا۔ ہماری ساری فقہ کا انداز اسی

طرح کا ہے۔ علمائے حدیث نے فقہار کی اس روش پر سخت نکیریں کیں۔ شدید احتجاج کئے لیکن چونکہ عراقی فقہار کا ذہن منطقی انداز نظر میں ڈھل چکا تھا اس لئے ان پر محدثین کے احتجاجوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لہذا فقہار کی آرار و افکار کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں اس نکتہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ واقعی طور پر ان کے عہد میں ایسی صورتیں پیش آتی تھیں اور وہ ان کا کوئی حکم بیان کر رہے ہیں۔ بلکہ عموماً وہ خود اپنے ذہن سے کچھ صورتیں فرض کر لیتے تھے اور ان کے احکام بتاتے جاتے تھے۔ بعینہٖ یہی کچھ صغر سنی کی شادیوں کے سلسلہ میں بھی ہوا ہے۔ یہ حضرات اگر صغر سنی کی شادیوں کے جواز کے فتوے دیتے تھے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عربوں کے ہاں یا مسلمانوں میں ان کے عہد میں صغر سنی کی شادیاں ہوا کرتی تھیں۔ بلکہ وہ اپنی طرف سے یہ فرض کر کے کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے اور کوئی باپ اپنی نابالغ اولاد کی شادی کر بیٹھے تو فیصلہ کیا ہوگا۔ اس کا حکم بھی بیان کر جاتے ہیں۔

## عجمی اثرات

اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جب تدوین فقہ کا دور آیا ہے تو بیشتر علمی مسندوں پر وہ علمار اور ائمہ قابض ہو چکے تھے جن کا تعلق ملک عرب سے نہیں تھا بلکہ عجمی ممالک سے تھا۔ بلکہ تدوین فقہ کے دور سے بہت پہلے ہی علمی مسندیں عربوں کے قبضہ سے نکل چکی تھیں۔ عبد الملک اور امام زہری کا وہ مکالمہ جو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے اس صورت حالات پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ کہتے ہیں کہ زہری سے ایک دفعہ عبد الملک نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مختلف شہروں میں آجکل بڑے بڑے علمار جو مرجع انام ہوں، کون کون ہیں؟ زہری نے کہا۔ جی ہاں! پوچھئے۔ کس کس شہر کے امام وقت کا نام لوں؟

عبد الملک : تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟

زہری : مکہ معظمہ سے

عبد الملک : مکہ میں کس شخص کو چھوڑ کر آئے ہو جو اس وقت وہاں کا سب سے بڑا عالم اور پیشوا ہے؟

زہری : عطار ابن ابی رباح۔

عبد الملک : عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں؟

زہری : موالی میں سے

عبدالملک : آخر کونسی چیز ہے جس نے انھیں یہ مقام عطا کر دیا ؟

زہری : دین نے اور احادیث نبوی کی روایت نے ۔

عبدالملک : ٹھیک ہے ۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہی ہیں کہ آدمی کو پیشوائی عطا کر دیں ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ آجکل یمن میں امام وقت کون ہے ؟

زہری : طاؤس ابن کیسان ۔

عبدالملک : عرب ہیں یا موالی میں سے ؟

زہری : موالی میں سے ۔

عبدالملک : اس شخص کو یہ برتری کس چیز نے دی ؟

زہری : انھی چیزوں نے جن کی وجہ سے عطار نے سربلندی حاصل کی ۔

عبدالملک : اچھا مصر کے متعلق بتاؤ ۔ وہاں کون ہے ؟

زہری : یزید ابن ابی حبیب ۔

عبدالملک : عرب ہیں یا موالی میں سے ہیں ؟

زہری : یہ بھی موالی میں سے ہیں ۔

عبدالملک : اور شام میں ؟

زہری : مکحول ۔

عبدالملک : عرب یا موالی ؟

زہری : موالی ہی میں سے یہ بھی ہیں ۔ بنو ہذیل کی ایک خاتون کے غلام تھے ۔ اس نے ان کو آزاد کر دیا تھا ۔

عبدالملک : اور جزیرہ (دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے) میں ؟

زہری : میمون ابن مہران ۔

عبدالملک : مولیٰ یا عرب ؟

زہری : مولیٰ ۔

عبدالملک : خراسان کا بڑا عالم؟
زہری : ضحاک بن مزاحم۔
عبدالملک : مولیٰ یا عرب؟
زہری : مولیٰ۔
عبدالملک : اور بصرہ میں؟
زہری : حسن ابن ابی الحسن (خواجہ حسن بصری)۔
عبدالملک : مولیٰ؟
زہری : جی ہاں مولیٰ۔
عبدالملک : ویلک (تیرا بُرا ہو) آخر کوفہ میں کوئی ہے؟
زہری : ابراہیم نخعی۔
عبدالملک : یہ بھی مولیٰ یا عربی النسل؟
زہری : یہ عربی النسل ہیں۔
عبدالملک : "افوہ، زہری! اب جاکر تم نے ایک بات سنائی جس سے غم کا بادل میرے دل کے اوپر سے کچھ ہٹا"

(اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا کہ) اگر یہ آخری جواب تم نہ سناتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے۔ اس کے بعد عبدالملک نے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا "یہ موالی، یہ غیر عرب مسلمان، عربوں کے سردار اور پیشوا بن کر رہیں گے۔ یہ ایک دن ہو کر رہے گا کہ ممبر کے اوپر ایک مولیٰ بیٹھا خطبہ دے رہا ہوگا اور عرب ممبر کے نیچے بیٹھے ہوں گے۔"

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۱۹۸۔ مقدمہ ابن الصلاح۔ تدریب الراوی للسیوطی ——— فتح المغیث للسخاوی وغیرہ)

بہرحال علمی مسندوں کی زینت وہ علمائے کرام اور فقہائے ذوی الاحترام تھے جن کا تعلق عجمی ممالک سے تھا جن میں صغرسنی کی شادیوں کا صدیوں سے رواج چلا آرہا تھا اور ان کے

ذہن اس رواج سے وراثتی طور پر مانوس چلے آتے تھے۔ امام مکحول رح کا تعلق تو سندھ سے تھا ہی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رح کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ ان کا تعلق بھی سندھ یا سندھ سے ملحق ایرانی علاقہ سے تھا جہاں صدیوں سے مسلمہ طور پر بلکہ مذہبی طور پر صغر سنی کی شادیوں کا رواج پایا جاتا تھا۔ لہٰذا اگر ان حضرات کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کسی صغیر السن لڑکے یا لڑکی کی شادی کردی جائے تو شرعی فیصلہ کیا ہوگا؟ تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان حضرات کا جم غفیر جسے اجماع کے غلط لقب سے یاد کیا گیا ہے یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ صغر سنی کی شادیاں ضرور کی جانی چاہئیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی بتا رہا ہے کہ اگر ایسی حماقت کرلی جائے تو اس کا شرعی فیصلہ کیا ہوگا۔ چونکہ ان کے اذہان وراثتی طور پر صغر سنی کی شادیوں سے مانوس تھے اور ان کے دلوں میں نہ اس کی طرف سے کوئی استعجاب پایا جاتا تھا اور نہ اس سے انھیں کوئی نفرت تھی۔ اس لئے جونہی ان کے سامنے کوئی ایسا بیان آیا جس سے اس کا جواز نکلتا تھا انھوں نے فوراً اسے قبول کرلیا۔ اور اس کی جرح و تنقید کی طرف انھوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ بلا شبہ اگر وہ اس کی جرح و تنقید فرماتے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اس تک ان کی رسائی نہ ہوسکتی۔ لیکن جرح و تنقید کی طرف توجہ تو اسی وقت ہوتی جب انھیں اس بیان پر کوئی اچنبھا محسوس ہوتا۔

## قانونی مستثنیات

یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ ہر قانون اور ہر اصول کے لئے کچھ نہ کچھ مستثنیات ضرور ہوا کرتے ہیں۔ مَا مِنْ عَامٍّ اِلَّا خُصَّ عَنْہُ الْبَعْضُ اصول فقہ کا مسلّم قاعدہ ہے۔ یقیناً زندگی میں بعض لوگوں کو ایسی صورت حالات کا سامنا بھی ہوتا ہے کہ وہ خلاف قانون کوئی کام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ صغر سنی کی شادیوں ہی کے سلسلہ میں آپ غور فرمائیں تو ایسی صورتیں بھی نکل سکتی ہیں کہ باپ کو اپنی نابالغ لڑکی کی شادی پر مجبور ہونا پڑ جائے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے خاندان میں تنہا ہے۔ نہ اس کا اپنا کوئی بھائی ہے نہ بہن ہے تقدیر الٰہی سے اس کا اپنا وقت بھی آپہنچا ہے۔ لڑکی اس کی نابالغ ہے۔ نظام حکومت اسلامی نہیں ہے کہ حکومت، بیت المال سے اس بچی کی پرورش وغیرہ کا انتظام کردے گی۔ اسے اپنے بعد بچی کا مستقبل نہایت تاریک اور بھیانک نظر آرہا ہے۔ کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس پر وہ بھروسہ کرسکے کہ وہ اس بچی کو اس کے بعد پال لے گا۔ مجبور ہو کر وہ چاہتا ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کردے

اور یوں اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں پکڑا جائے۔ بہرحال فقہ کو ایسی صورتوں میں بھی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ اور فقہاء کو ایسے مسائل پر بھی سوچنا ہے۔ لہٰذا اگر ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ پر غور فرمایا اور اپنی صوابدید کے مطابق انھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا تو قابل تحیر نہیں ہے۔ آخر کیا حرج ہے کہ ایسی صورت میں اس نکاح کو جائز قرار دیدیا جائے اور اسے نکاح موقوف سمجھا جائے، تا آنکہ لڑکی بالغ ہوجائے اور وہ بالغ ہونے کے بعد خود فیصلہ کرے کہ وہ اس نکاح کو باقی رکھنا چاہتی ہے یا فسخ کردینا چاہتی ہے۔ نکاح فضولی کی ایک اصطلاح ہماری فقہ میں پہلے سے موجود ہے جس میں خواہ مخواہ کوئی شخص کسی عورت کا نکاح بغیر اس کی مرضی اور علم کے کسی شخص کے ساتھ کردیتا ہے۔ ایسے نکاح کو فقہاء نے نکاح قرار دیا ہے۔ یعنی عورت کو جب اس نکاح کا علم ہو تو اگر وہ اس نکاح کو جائز قرار دیدے تو نکاح صحیح ہوجائیگا اور اگر وہ ناجائز قرار دیدے تو نکاح فسخ ہوجائیگا۔ تو کیا ایسی صورتوں میں جہاں کوئی واقعی مجبوری درپیش ہو ایسے نکاح فضولی کی حیثیت سے بھی جائز مگر موقوف نکاح قرار نہیں دیا جاسکتا؟

میں دیانت داری کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ ایسی ہنگامی اور ناگزیر صورتوں میں صغر سنی کی شادی کو جائز سمجھا جانا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ اس کے لئے کورٹ سے اجازت لینے کی قید لگائی جاسکتی ہے مگر ایسے نکاح کو نکاح موقوف ہی سمجھا جانا چاہئے۔ یعنی لڑکی کو بالغ ہوجانے کے بعد یہ اختیار دیا جائے کہ اگر اسے یہ نکاح پسند نہ ہو تو وہ اسے فسخ کرسکتی ہے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ صغر سنی کی شادیوں کا کٹر سے کٹر مخالف بھی ایسی ناگزیر ہنگامی صورتوں میں اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرے گا۔

## فقہاء کے فیصلہ کا محمل

فقہائے کرام نے یہ کہیں نہیں کہا کہ بلا ضرورت بھی صغر سنی کی شادیاں کی جانی چاہئیں۔ وہ تو صرف یہ بتا رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری کے ماتحت اپنی صغیر السن لڑکی کا نکاح کردے تو اس کا حکم کیا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی ضرورت شدیدہ میں جیسی صورت ہم نے اوپر فرض کی ہے اگر کوئی شخص ایسا کردے تو عدل عمرانی، ضرورت وقت، تقاضائے مصلحت اور منشائے قانون بھی یہی ہے کہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے۔ قانونی ہدایات انسانی مصالح اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے ہوتی ہیں صغیر السن

بچوں اور بچیوں کو ضائع کرنے یا دربدر کی ٹھوکریں کھلوانے کے لئے نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ہمیں علمار کرام اور فقہاء عظام کے اس جم غفیر کے فیصلہ کو عام نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کے لئے ایسا محل تلاش کرنا چاہیئے جہاں وہ فٹ بیٹھ سکے ۔۔ اس ساری تفصیل کے بعد صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہماری طرح ہمارے فقہائے کرام نے صغرسنی کی شادیوں کو نکاح موقوف قرار نہیں دیا بلکہ اسے نکاح نافذ قرار دیا ہے جس میں لڑکی بالغ ہونے کے بعد نکاح کو فسخ کرنے کا بھی اختیار نہیں ہوتا تو کیا ان کے پاس اس کی کوئی معقول وجہ تھی کہ انھوں نے ایسا فیصلہ فرمایا؟

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے فقہا کے سامنے ایک ایسی روایت تھی جو انھیں اشتباہ میں ڈالنے کا باعث بنی ہے۔ اس روایت پر شرح وبسط کے ساتھ آئندہ اشاعت میں بحث کی جائیگی۔

---

وَمِنْ آيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(الرّوم: آیت ۲۱)

"اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے ہیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور اسی نے میاں بیوی میں محبت و رافت کے جذبات پیدا کئے۔ بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں"

(سورۂ روم۔ آیت نمبر۲۱)